آج کل کے دانشور

ترجمہ: جناب فیض احمد شہابی صاحب

پچھلے دو سو سالوں میں دانشوروں کی ایک نئی کھیپ سامنے آئی ہے، وہ نام نہاد مذہبی اجارہ داروں، وقائع نگاروں اور واعظوں کے روپ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ والٹیئر اور روسو کے عہد میں جو لادین دانشور اُٹھے، وہ اپنے فکری گھمنڈ میں سب سے سبقت لے گئے۔ منفی سوچ کے اس رجحان نے بعد میں خطرناک صورتِ حال پیدا کر دی۔ اندازہ خود لگا لیجیے کہ مشہور شاعر شیلے نے ۱۸۳۱ء میں شاعروں کے بارے میں کہا کہ یہ دُنیا کے "غیر منتخب قانون ساز" ہیں۔ دانشوروں اور روشن خیالوں کا طبقہ آج بھی اسی انانیت کا شکار ہے۔ نامور فلاسفر لیونل ٹرلنگ نے صاف صاف لفظوں میں کہا ہے کہ موجودہ دَور کی دانشوری مخصوص سیاسی غلبے سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ دانشوروں کا طاقت میں ساجھی ہونے کا رجحان تاریخ میں پہلی بار منظرِ عام پہ آیا ہے۔

انسانیت سے ہمدردی کا اظہار کرنے والے دو گروہ ہر مقام پہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں پہ مشتمل ہے جو کسی نہ کسی انداز میں عملی طور پہ انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے گروہ میں ایسے افراد ہیں جنہیں صرف اپنے نظریے سے غرض ہے۔ پہلے گروہ میں ایسے اہلِ سیاست شامل ہیں جو انتخابات کے معروف طریقوں سے عنانِ حکومت سنبھالتے ہیں۔ دوسرا گروہ ان دانشوروں کا ہے جو ہر وقت اقتدار کی حسرت لیے پھرتے ہیں۔ انہیں کرسی مل جائے تو پھر اپنے نظریے کی "صداقت" جتانے کے لیے طاقت کا غلط استعمال کرنے سے نہیں چوکتے۔ وہ پورے معاشرے کو اپنے

نظریے کی تجربہ گاہ بنا دیتے ہیں۔ مخصوص طرزِ عمل کے باعث افراد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان کی پسند و ناپسند پس پشت ڈال دی جاتی ہے۔ جب افراد اپنے حقوق کے لیے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں معاشرے کا دشمن کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔ دانشور ڈبلیو ایچ آڈن کے نزدیک ناپسندیدہ عناصر کا صفایا ایک ناگزیر عمل ہے۔ وہ اسے "جبری قتل" کا نام دیتا ہے۔ لینن کی اصطلاح میں اسے "طبقاتی دشمنوں کا خاتمہ" اور نازیوں کے الفاظ میں اسے "آخری حل" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دانشوروں میں معاشرے کی "خدمت" کا سودا سماتا ہے تو وہ خود غرض اور خود پسند ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر اس شخص سے نفرت کرتے ہیں جو ان کی طرزِ فکر میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ دانشوروں کی عملی زندگی تضادات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ان کی کھوکھلی فکر کبھی برگ و بار نہیں لاتی۔ جب سے سیاسی نظریات میں لادینیت کا عنصر داخل ہوا ہے، فکر و عمل کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی ہے۔ دانشور اپنے نظریات کا تازیانہ آزمانے کے لیے اور بھی بے تاب ہو گئے ہیں۔ اصل میں انسانیت کے یہ خادم ایسے چابک دست استحصالی ہیں جو اپنے نظریات اپنی ذات پر نافذ نہیں کرتے۔ اینگلو سیکسن شاعر شیلے کی زندگی پر نگاہ ڈالیے۔ وہ اپنی شاعری میں معاشرے کے دُکھوں کا رونا روتا ہے۔ مظلوم کو دیکھ کر کلبلا اٹھتا ہے، لیکن نجی زندگی میں اس کا دل رحم و شفقت سے قطعی عاری نظر آتا ہے۔ شیلے کی روشن مشعل نے سب سے پہلے اپنے گھر کا سکون خاکستر کیا۔ اس کی بدسلوکی اور بے وفائی سے تنگ آکر اس کی پہلی بیوی ہیریٹ اور محبوبہ فے گاڈون نے خودکشی کر لی۔ شیلے کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی سے کس حد تک اُکتا چکا تھا۔ اس نے ایک اور لڑکی میری سے شادی کی لیکن اُسے سکون کی دولت پھر بھی نہ مل سکی۔ میری بعد میں نہاتے ہوئے پُراسرار طور پر ڈوب کر ہلاک ہو گئی۔ انگلینڈ سے باہر نیپلز میں وہ اپنی ایک ناجائز لڑکی چھوڑ آیا تھا۔ جہاں وہ کس مپرسی کی حالت میں دم توڑ گئی۔ شیلے کا ایک لڑکا انگلینڈ کی مقامی عدالت میں محافظ کے عہدے پر فائز تھا۔ لیکن باپ نے اس سے ملنا کبھی گوارا نہیں کیا۔ شیلے نے ایک اسکول کی استانی الزبتھ ہیکنر سے محبت کی پینگیں بڑھائیں اور پھر اس کی عزت لوٹ کر اس کی زندگی تباہ کر دی۔ اس نے مذکورہ استانی سے ایک بار سو پونڈ ادھار لیے اور پھر کبھی واپس نہ کیے۔ شیلے اپنے نوکروں سے نہایت ہتک آمیز

طریقے سے پیش آتا۔ چند خوش قسمت اس سے اپنا معاوضہ وصول کرنے میں کامیاب ہوتے۔ شیلے نے اپنے کیے پر کبھی اظہارِ ندامت نہیں کیا۔ اُلٹا وہ اپنے "کارناموں" پر فخر محسوس کرتا تھا۔ ایک بار اس کے ایک دوست نے اس کی بے وفائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسے اپنی بیوی کو نظر انداز کر کے دوسری عورتوں کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے۔ شیلے نے جواب دیا "دوستی نبھانا میرا حق ہے میں انسانیت، راستی اور دیانت کا پرستار ہوں"۔

شیلے نے جو کارنامے انجام دیئے ان سے اس کی دو رُخی کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

اشتراکی دانشور کارل مارکس کی ابتدائی تحریریں منظرِ عام پر آئیں تو پتہ چلا کہ وہ جبر، تشدد اور قتل و غارت کے ذریعے معاشرے کی چھانٹی چاہتا ہے۔ اس کے باپ نے اُسے خط لکھا "تمہاری تحریریں ہلاکت خیز ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں خود غرضی کے سوا کچھ نہیں"۔ مارکس کی ماں اُسے عاقبت نا اندیش کہہ کر پکارتی۔ وہ اپنے بیٹے کے بار بار کے تقاضوں سے تنگ تھی، اس کے باوجود مارکس کے پاس روپے پیسے کی کمی کبھی نہ رہی۔ وہ کہیں نہ کہیں سے اپنی جیب بھری رکھتا۔ کم از کم دو خدمت گار نوکر ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے۔ وہ اپنے نجی انتظام کو خالص پرولتاری حیثیت کا نام دیتا۔ مارکس کی تین بیٹیاں تھیں۔ انہیں پیانو بجانے کے علاوہ کوئی تعلیم نہ دلوائی۔ مارکس کو ایک بار رقم کی ضرورت پڑی تو اس نے بیوی کے کپڑے اور چاندی کے زیور تک بیچ کھائے۔ وہ اخلاقی طور پر ایک پست کردار شخص تھا۔ گھر کی ایک نوکرانی سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ بعد میں اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے خفت مٹانے کے لیے اُسے اپنے ایک دوست فریڈرک اینجلز کے حوالے کر دیا۔ مارکس کی بیٹی ایلنور نے ایک بار باپ کو خط لکھا "حیرت کی بات ہے کہ آپ نے حقائق کا سامنا کبھی نہیں کیا۔ آپ نے دل لبھانے والے تصورات تو پیش کیے۔ مگر ان پر خود عمل کرنے میں ناکام رہے۔ کیا یہ اصولوں سے انحراف نہیں ہے"۔ دل برداشتہ ایلنور نے بعد میں خودکشی کر لی۔

مارکس کو افراد کی خوشیوں یا اداسیوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اسے اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ عام انسان کے تقاضے کیا ہیں۔ اور وہ کس پہلو سے سوچتا ہے۔ مارکس نے کبھی کسی پرولتاری سے مل کر دریافت نہیں کیا کہ اس کے حقیقی مسائل کیا ہیں اور انہیں کیسے حل کیا جاسکتا ہے۔

محنت کشوں کے اس درد مند نے زندگی میں کسی فیکٹری کے اندر قدم تک نہ رکھا۔ ایک بار اینجلز نے اسے ایک فیکٹری میں لے جانے کی پیش کش کی، جو اس نے ٹھکرا دی۔ اس کے برعکس مارکس کی اپنے سرمایہ دار چچا سے اکثر ملاقات رہتی تھی جو ہالینڈ میں مقیم تھا۔

اسی طرح لینن کی زندگی پر نگاہ ڈالیے۔ سوویت یونین کا آمرِ مطلق بننے سے پہلے اس نے بھی کسی فیکٹری کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک کتابی سوشلسٹ (LIBRARY SOCIALIST) تھا۔ مزدوروں یا کسانوں سے اس نے کبھی حقیقی تعلقات پیدا نہیں کیے تھے۔ لینن کے بعد زمامِ اقتدار اسٹالن کے ہاتھ آئی۔ اس خونخوار نے اشتراکیت کے نام پر جو تباہی مچائی، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مغربی معاشرے میں ذہنی بگاڑ پیدا کرنے میں سگمنڈ فرائیڈ کا بڑا ہاتھ تھا۔ مارکس اور دوسرے اشتراکی اس کے نظریات سے کافی متاثر تھے۔ علم النفس کی انوکھی تشریح کرنے والا فرائیڈ تحکمانہ طور طریقے سے زندگی بسر کرنے کا قائل تھا۔ گھر میں اس کی بیوی کی حیثیت خادمہ جیسی تھی۔ وہ اپنے نظریات کے بارے میں بحث مباحثے سے کتراتا تھا۔ ایڈلر اور ژونگ جیسے ماہر نفسیات ابتدا میں فرائیڈ کے خاص چیلے تھے۔ انھوں نے بعد میں فرائیڈ کے نظریات سے اختلاف کیا اور اس کے حلقۂ فکر سے باہر آگئے۔ فرائیڈ ان کے نکلنے سے اتنا برہم ہوا کہ انھیں دنیا بھر کی گالیاں دے ڈالیں۔ دغاباز، بدعقل، پاگل اور نجانے کیا کچھ کہا۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ نام نہاد ترقی پسند دانشور صبر و تحمل سے قطعی عاری ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان سے اتفاق نہیں کرتا، ان کی نگاہ میں قابلِ نفرت ٹھیرتا ہے۔

دانشوروں کے اشتراکی ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ خاص وجہ وہ لالچ ہے جو خواہشات و مفادات کی تکمیل چاہتا ہے۔ ہوائے نفس کے لیے طاقت کو ہاتھ میں لینے کا جنون ہلاکت خیز نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ جرم ہے جسے انسانیت معاف نہیں کر سکتی۔ دانشور بائیں بازو میں شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ اسی پلیٹ فارم پر انھیں اپنے عزائم پورے ہوتے نظر آتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے، جب کہ اشتراکیت اپنی پوری قوت سے معاشرے پر حملہ آور ہوتی ہے۔ دانشور اس میں ہراول دستے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ یہ لوگ فرائیڈ یا مارکس کی طرح قلم سنبھالے مجرد فکر میں گم ہوں۔ اب وہ کھلم کھلا تشدد کا

پیچا رک ہے۔ اس کی ہمدردیاں مظلوموں کے بجائے آمروں اور جابروں کے ساتھ ہیں۔ وہ اسٹالن، ماؤزے تنگ، کاسترو اور ہوچی منہ کا ثناخوان ہے، جنہوں نے خود کو اشتراکیت کی گدی پر بٹھانے کے لیے لاکھوں انسان بھینٹ چڑھا دیئے۔ ماؤزے تنگ کے عہد میں تیس لاکھ انسانوں کا خون بہا۔ ایک دفعہ نیوسٹیٹمین میں چین کے اسی آمر مطلق کی ہلاکت خیزیوں کے بارے میں روداد چھپی۔ چند دن بعد اخبار کے ایڈیٹر کو معروف دانشور لیونارڈ وولف کی طرف سے خط ملا۔ تحریر تھا۔

"کیا ایڈیٹر صاحب اپنے پڑھنے والوں کو بتا سکتے ہیں کہ اس انقلاب کے لیے زیادہ سے زیادہ کتنے لوگوں کو ہلاک کرنا ضروری تھا؟"

موجودہ دور میں ہر خونریزی کے پیچھے کسی نہ کسی دانشور کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ وہ چیکا اور کے جی بی جیسی آفت انگیز تنظیموں کے مداح ہیں۔ ایک زمانے میں وہ نازیوں کے پرستار تھے۔ اب وہ قاتل اشتراکی تحریکوں کے مؤید ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں ان کے انقلابیوں نے کمپوچیا کی ایک تہائی آبادی تہ تیغ کر دی۔ اس وقت جین پال سارتر اور مارکس کی ذریت لاشوں پہ انقلابی ترانے گا رہی تھی۔ اشتراکی آمریت اور تخریب کاری کی راہ ہموار کرنے کے لیے دانشور آگے آگے نظر آتے ہیں۔ وہ ایسے خونخوار ہیں جن کی نگاہ میں انسانی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان روڑے پتھر ہیں، جنہیں اشتراکیت کی دیوار میں چنا جا سکتا ہے۔

اشتراکیت، دنیا کے لیے خطرے کی سب سے بڑی علامت ہے۔ "دانشوروں" سے خبردار رہیے۔ ان کی کمیٹیوں، مشاورتی جلسوں اور حلقوں سے خود کو دور رکھیے۔ ان کا ہر اجتماع کوئی نہ کوئی بحران پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ وہ نامعقول طریقوں سے لوگوں کو تشدد اور لاقانونیت پر ابھارتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ نام نہاد نظریات سے انسانی جانیں زیادہ قیمتی ہیں۔

پال جانسن۔ بشکریہ "دی ایشین وال سٹریٹ جرنل"